صریر خامہ
SAREER A KHAMA
TAFHEEM RESEARCH CENTRE
Category Y
ISSN Online: 3005-947X
ISSN Print: 3005-9461
Vol: 04, Issue 04 (October-December 2025)

قرآنِ مجید کے ادبی اعجاز کا کلاسیکی و جدید لسانیاتی تناظرات میں تقابلی و تنقیدی جائزہ

A Comparative and Critical Study of the Literary Inimitability of the Qur'an in Classical and Modern Linguistic Perspectives

Muhammad Naimat Ullah

PhD Scholar, Islamic Studies, Division of Islamic and Oriental Learning, Lower Mall Campus, University of Education, Lahore & Librarian, Govt. Mines Labour Welfare College for Boys, Makerwal Mianwali

muhammadnaimatullah53@gmail.com

Dr. Muhammad Usman Khalid

Lecturer, Edwardes College Peshawar

drmuhammadusmankhalid007@gmail.com

Dr. Haseeba Mumtaz

Lecturer, Department of Islamic and Arabic Studies, University of Swabi, KPK

emaan02020@gmail.com

Abstract

This research paper presents a comparative and critical study of the literary inimitability (Iʿjāz) of the Qur'an in both classical and modern scholarly perspectives. The primary objective of this study is to demonstrate that the concept of Qur'anic inimitability is not merely a theological belief, but also a profound literary, linguistic, and rhetorical reality that can be examined through established analytical frameworks. The first part of the paper explores the lexical and technical meanings of iʿjāz, its recognition during the Prophetic and Companions' era, and the foundational classical theories, including the doctrines of ṣarfah, naẓm (coherence), and balāghah (rhetoric). Drawing upon the works of leading classical scholars such as al-Bāqillānī, ʿAbd al-Qāhir al-Jurjānī, and al-Zamakhsharī, the study argues that the Qur'an's linguistic precision, semantic depth, and structural harmony constitute the essence of its literary uniqueness. The second part examines contemporary approaches to Qur'anic inimitability, particularly the theory of thematic and structural coherence (Naẓm al-Qurʾān), as well as modern linguistic analyses including discourse analysis, ring composition, phonetic symmetry, and narrative variation. The study also critically evaluates orientalist objections related

to stylistic repetition, historical development, and literary evolution. It argues that such critiques often overlook the Qur'an's internal coherence and its historical challenge (taḥaddī). The findings suggest that the Qur'an's literary inimitability is multidimensional, encompassing rhetorical excellence, structural balance, phonetic artistry, and psychological impact. Classical and modern perspectives ultimately converge in affirming the Qur'an's unparalleled literary character, making the study of its iʿjāz a dynamic and continually evolving academic field.

Keywords: *Qur'anic Inimitability (Iʿjāz), Literary Miracle of the Qur'an, Naẓm al-Qurʾān, Qur'anic Rhetoric, Discourse Analysis, Ring Composition, Orientalist Criticism, Linguistic Analysis, Taḥaddī (Qur'anic Challenge), Balāghah*

یہ تحقیقی مضمون قرآنِ مجید کے ادبی اعجاز کا کلاسیکی اور معاصر علمی تناظرات میں ایک منظم، تقابلی اور تنقیدی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اعجازِ قرآن کا تصور محض ایک مذہبی عقیدہ یا ایمانی دعویٰ نہیں، بلکہ ایک مضبوط ادبی، لسانی اور بیانیاتی حقیقت بھی ہے جسے قدیم بلاغی اصولوں اور جدید لسانیاتی نظریات دونوں کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس مقالے کے پہلے حصے میں اعجاز کے لغوی و اصطلاحی مفاہیم، عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں اس کے عملی ادراک، اور کلاسیکی نظریات—خصوصاً نظریۂ صرفہ، نظریۂ نظم، اور نظریۂ بلاغت—کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ امام ابو بکر باقلانی، عبد القاہر جرجانی اور زمخشری جیسے ائمہ کی آراء کو بنیاد بنا کر یہ واضح کیا گیا ہے کہ قرآن کی فصاحت، معنوی عمق، اور داخلی نظم ہی اس کی انفرادیت کا اصل سرچشمہ ہیں۔[1] مضمون کے دوسرے حصے میں معاصر مفکرین، بالخصوص نظمِ قرآن کے علَم بردار علماء، اور جدید لسانیاتی مباحث کو شامل کیا گیا ہے۔ ڈسکورس اینالسس، حلقاتی ساخت (Ring Composition)، صوتی ہم آہنگی، اور بیانیہ تنوع جیسے تصورات کی روشنی میں یہ دکھایا گیا ہے کہ جدید ادبی و لسانی نظریات دراصل کلاسیکی نظریۂ نظم کی توثیق کرتے ہیں نہ کہ اس کی تردید۔[2] مزید بر آں مستشرقین کے اعتراضات—مثلاً اسلوبی تکرار، تاریخی تدریج، اور ادبی ارتقاء کے دعووں—کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے، اور واضح کیا گیا ہے کہ یہ اعتراضات قرآن کے داخلی ربط، اسلوبی وحدت اور تحدّی کے تاریخی پہلو کو مکمل طور پر محیط نہیں ہو پاتے۔[3] تحقیق کے نتائج سے یہ امر سامنے آتا ہے کہ قرآن کا ادبی اعجاز کثیر جہتی (Multi-dimensional) ہے، جس میں زبان کی فصاحت، معنوی جامعیت، ساختی توازن، صوتی تاثیر، اور نفسیاتی اثر سب شامل ہیں۔ کلاسیکی و معاصر تعبیرات میں بنیادی ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور جدید لسانیاتی تحقیق نے اعجاز کے قدیم نظریات کو مزید علمی بنیاد فراہم کی ہے۔ اس طرح قرآن کا ادبی اعجاز ایک زندہ علمی موضوع کی حیثیت رکھتا ہے، جو ہر دور میں نئی تحقیق کی دعوت دیتا ہے۔[4]

تحدّیِ قرآن اور تصورِ اعجاز کا قرآنی پس منظر

قرآنِ مجید اپنی نزول کے اولین لمحہ سے ہی انسانی عقل و بیان کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے عرب کے فصحاء و بلغاء کو براہِ راست مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ"۔ البقرة 2:23

ترجمہ: "اور اگر تمہیں اس (قرآن) کے بارے میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک سورت لے آؤ۔"

یہ تحدّی (چیلنج) محض فصاحت و بلاغت کا دعویٰ نہ تھا بلکہ ایک ایسا ہمہ جہت اعلان تھا جس نے زبان، اسلوب، معانی، نظم، تاثیر اور ہدایت کے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سمو لیا۔ یہی وہ پہلو ہے جسے اسلامی علوم میں "اعجاز القرآن" کہا جاتا ہے، اور جس پر قدیم و جدید اہلِ علم نے مستقل تصانیف پیش کیں۔[5]

قرآن نے ایک اور مقام پر اس چیلنج کو مزید وسعت دیتے ہوئے فرمایا:

"قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا"

الإسراء 17:88

یہ اعلان اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اعجاز محض ایک ادبی برتری کا دعویٰ نہیں بلکہ ایک قطعی اور الٰہی تحدّی ہے۔[6] اعجاز کے مختلف پہلو بیان کیے گئے ہیں، مثلاً اعجازِ بیانی، اعجازِ تشریعی، اعجازِ غیبی اور اعجازِ علمی، مگر ان تمام میں ادبی و بیانی اعجاز کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ قرآن سب سے پہلے ایک عربی کلام کی صورت میں نازل ہوا اور اس نے اپنے اولین مخاطبین کو اسی میدان میں چیلنج کیا۔[7]

اعجاز کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغت میں "اعجاز" مادہ "ع ج ز" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں کسی کو عاجز کر دینا یا کسی کے بس سے باہر ہونا۔ ابن فارس کے مطابق "العجز" کا بنیادی مفہوم کمزوری اور عدمِ قدرت ہے۔[8] اس اعتبار سے اعجاز اس کیفیت کو کہتے ہیں جس میں مخاطب کسی کام کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ اصطلاح میں اعجازِ قرآن سے مراد وہ مخصوص خصوصیات ہیں جن کی بنا پر انسان اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز رہتا ہے۔ امام ابو بکر باقلانی (م 403ھ) کے نزدیک اعجازِ قرآن اس کی ایسی منفرد نظم اور اسلوب میں ہے جو انسانی کلام سے یکسر مختلف ہے۔[9] وہ واضح کرتے ہیں کہ قرآن نہ تو شعر ہے، نہ نثر مرسل، اور نہ خطابت، بلکہ ایک مستقل صنفِ کلام ہے جس کی نظیر پیش کرنا انسانی بس سے باہر ہے۔ اسی مفہوم کو امام بدر الدین زرکشی (م 794ھ) نے بھی بیان کیا اور اعجاز کو قرآن کی فصاحت، بلاغت اور نظم کے ساتھ مربوط کیا۔[10] ان کے نزدیک قرآن کی بلاغت اس کے الفاظ اور معانی کے باہمی تناسب میں مضمر ہے، جہاں ہر لفظ اپنے محل پر اس طرح واقع ہوا ہے کہ اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ نہیں لے سکتا۔

تاریخی پس منظر: عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ

عہدِ نبوی میں اعجاز کا تصور نظریاتی مباحث سے زیادہ عملی مشاہدے کی صورت میں موجود تھا۔ عرب معاشرہ فصاحت و بلاغت کا دلدادہ تھا، اور شعر و خطابت کو اعلیٰ ترین ادبی اظہار سمجھتا تھا۔ ایسے ماحول میں قرآن کا اسلوب ایک نئی اور منفرد صنفِ کلام کی

حیثیت سے سامنے آیا۔ لبید بن ربیعہ جیسے نامور شاعر نے قرآن سن کر اپنی شاعری ترک کر دی، جو اس کے ادبی اثر کی ایک نمایاں مثال ہے۔[11] روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے قرآن سن کر اعتراف کیا:

"إن له لحلاوة وإن عليه لطلاوة"

(اس میں مٹھاس ہے اور اس پر تازگی ہے)۔[12]

یہ اعتراف اس بات کا غماز ہے کہ اہلِ زبان قرآن کی انفرادیت کو محسوس کرتے تھے، خواہ وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"ما من الأنبياء نبي إلا أُعطي من الآيات ما مثله آمن عليه البشر، وإنما كان الذي أوتيته وحياً أوحاه الله إليّ[13] " (صحیح بخاری)

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ قرآن بذاتِ خود ایک دائمی معجزہ ہے، جو قیامت تک باقی رہے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں اعجاز کا مفہوم زیادہ تر عملی اور ایمانی تھا؛ انہوں نے اسے بلاغت کے فنی اصولوں میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اس کی تاثیر، ہدایت اور روحانی انقلاب کو اعجاز کی دلیل سمجھا۔[14]

کلاسیکی نظریاتِ اعجاز کی تفصیلی تنقیح

اعجازِ قرآن کے باب میں کلاسیکی علماء نے جو علمی سرمایہ چھوڑا ہے وہ محض ایمانی دفاع نہیں بلکہ منظم بلاغی، نحوی اور کلامی استدلال پر مبنی ایک مکمل نظریاتی ڈھانچہ ہے۔ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں اعجاز پر مستقل تصانیف سامنے آئیں جن میں امام ابو بکر باقلانی کی *اِعجاز القرآن*، قاضی عبد الجبار کی مباحث، اور سب سے بڑھ کر عبد القاہر جرجانی کی *دلائل الإعجاز* کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔[15] ان تصانیف کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ کلاسیکی علماء نے اعجاز کو تین بڑے زاویوں سے دیکھا: (1) نظریۂ صرفہ، (2) نظریۂ نظم، اور (3) نظریۂ بلاغت و فصاحت۔ یہ نظریات محض تاریخی مباحث نہیں بلکہ اعجازِ قرآن کی تفہیم میں بنیادی سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور بعد کے تمام مباحث کسی نہ کسی طور انہی پر استوار ہیں۔

نظریۂ صرفہ: پس منظر اور تنقید

نظریۂ صرفہ کی نسبت معتزلی متکلمین، خصوصاً ابراہیم بن سیار نظام (م 231ھ) کی طرف کی جاتی ہے۔ اس نظریہ کے مطابق قرآن کا اعجاز اس کی ذاتی لسانی خصوصیت میں نہیں بلکہ اس امر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عربوں کو اس جیسا کلام پیش کرنے سے روک دیا (صرف قدرت سلب کر لی)۔[16] اس نظریہ کے مطابق اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان قرآن جیسا کلام پیش کر سکتے تھے، لیکن ان کی ہمت اور قدرت کو سلب کر لیا گیا، اس لیے وہ عاجز رہے۔ اہلِ سنت کے اکثر علماء نے اس نظریہ کو رد کیا، کیونکہ اس

سے قرآن کی ذاتی امتیازی شان کمزور پڑتی ہے۔ امام باقلانی نے واضح کیا کہ اگر اعجاز صرف منع کرنے میں ہوتا تو تحدّی کا مفہوم بے معنی ہو جاتا، کیونکہ چیلنج اسی وقت معنی رکھتا ہے جب مقابل فریق کو قدرت حاصل ہو مگر وہ ناکام رہے۔[17] اسی طرح امام زرکشی نے بھی تصریح کی کہ اعجاز قرآن کی ذات اور اس کے نظم میں ہے، نہ کہ کسی خارجی مانع میں۔[18] اس تنقید سے واضح ہوتا ہے کہ کلاسیکی اہلِ سنت کے نزدیک اعجاز ایک داخلی (Intrinsic) خصوصیت ہے نہ کہ خارجی (Extrinsic) سبب کا نتیجہ۔

نظریۂ نظم: عبد القاہر جرجانی کی علمی خدمت

اعجاز کے باب میں سب سے مؤثر اور پائیدار نظریہ عبد القاہر جرجانی (م 471ھ) نے پیش کیا، جسے "نظریۂ نظم" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جرجانی کے نزدیک کلام کی اصل خوبی الفاظ میں نہیں بلکہ ان کے باہمی ربط اور ترتیب میں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مفرد الفاظ اپنی جگہ معجز نہیں ہوتے، بلکہ جب وہ مخصوص نحوی اور معنوی ترتیب میں جڑتے ہیں تو ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور یہی کیفیت اعجاز کا سرچشمہ ہے۔[19] جرجانی نے یہ اصول پیش کیا کہ معنی پہلے ذہن میں تشکیل پاتے ہیں اور الفاظ ان کے تابع ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کی انفرادیت اس کے معنوی نظام اور نحوی ساخت میں ہے۔ مثال کے طور پر آیت:

"وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا" (مریم 19:4)

اس میں بڑھاپے کو "اشتعال" سے تعبیر کرنا محض لفظی حسن نہیں بلکہ ایک معنوی تصویر کشی (Imagery) ہے جو پورے جملے کے نظم سے پیدا ہوتی ہے۔ جرجانی کے نزدیک یہی نظم انسانی کلام سے قرآن کو ممتاز کرتا ہے۔[20] نظریۂ نظم کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ قرآن کی ہر آیت اپنے سیاق و سباق میں مربوط ہے۔ بعد کے مفسرین، مثلاً فخر الدین رازی اور ابن عاشور، نے بھی سورتوں کے باہمی ربط اور آیات کی ترتیب میں حکمت تلاش کرنے کی کوشش کی۔[21] اس طرح نظریۂ نظم نے تفسیری منہج کو بھی متاثر کیا۔

نظریۂ بلاغت و فصاحت

بلاغت کے باب میں زمخشری (م 538ھ) کی *الکشاف* ایک نمایاں مثال ہے۔ انہوں نے قرآن کے استعارات، تشبیہات، ایجاز، اطناب اور التفات جیسے اسالیب کو نمایاں کیا اور بتایا کہ یہ محض ادبی صنعتیں نہیں بلکہ معنوی تاثیر کے وسائل ہیں۔[22]

مثال کے طور پر آیت:

"فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" (الحجر 15:94)

یہاں "صدع" کا لفظ اعلانِ حق کی شدت اور قطعیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح آیت:

"إِنَّآ أَعۡطَيۡنَٰكَ ٱلۡكَوۡثَرَ" (الکوثر 108:1).

میں اختصار کے باوجود بشارت کی وسعت موجود ہے۔ بلاغی اصولوں کے مطابق کم الفاظ میں کثیر معنی کا اجتماع "ایجاز" کہلاتا ہے، اور یہی قرآن کی نمایاں خصوصیت ہے۔[23] بلاغت کے نظریہ کے تحت قرآن کی صوتی ہم آہنگی بھی اہم ہے۔ مختصر سورتوں میں قوافی کی ہم آہنگی اور صوتی توازن ایک ایسی تاثیر پیدا کرتے ہیں جو سامع کو فوراً متاثر کرتی ہے۔ زرکانی نے اسے قرآن کی "بیانی موسیقیت" سے تعبیر کیا ہے۔[24]

کلاسیکی نظریات کا مجموعی تجزیہ

اگر نظریۂ صرفہ، نظریۂ نظم اور نظریۂ بلاغت کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اہلِ سنت کے غالب رجحان نے اعجاز کو قرآن کی داخلی ساخت اور اسلوب میں تلاش کیا ہے۔ انہوں نے اعجاز کو کسی ایک صنعت یا پہلو تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ایک جامع کیفیت قرار دیا ہے جو الفاظ، معانی، نظم اور تاثیر سب کو محیط ہے۔[25] یہی وجہ ہے کہ امام سیوطی نے اعجاز کے مختلف پہلو شمار کرتے ہوئے آخر کار اسے ایک ہمہ گیر حقیقت قرار دیا جو انسانی کلام سے کلیتاً ممتاز ہے۔[26] کلاسیکی نظریات کی یہ جامعیت بعد کے معاصر مباحث کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہے، اور جدید لسانیاتی تحقیقات دراصل اسی نظریۂ نظم کی توسیع معلوم ہوتی ہیں۔

معاصر نظریات اور جدید لسانیاتی تجزیہ

کلاسیکی نظریاتِ اعجاز کی مضبوط علمی بنیاد کے بعد بیسویں صدی میں قرآنِ مجید کے ادبی اعجاز پر بحث نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔ معاصر اہلِ علم نے اعجاز کو صرف بلاغت اور نحوی نظم تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے موضوعاتی وحدت (Thematic Unity)، بیاناتی ساخت (Discourse Structure)، اور لسانیاتی تجزیہ کے جدید اصولوں کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی۔ اس طرح اعجازِ قرآن کا مطالعہ ایک ہمہ جہت علمی میدان میں تبدیل ہو گیا، جس میں کلاسیکی نظریۂ نظم کی توسیع بھی شامل ہے اور جدید تحقیقی مناہج کی شمولیت بھی۔[27]

نظمِ قرآن کا جدید احیاء

معاصر دور میں نظمِ قرآن کے نظریہ کو سب سے منظم صورت مولانا حمید الدین فراہی نے پیش کیا۔ انہوں نے یہ اصول قائم کیا کہ ہر سورت ایک مرکزی عمود (Central Theme) رکھتی ہے اور قرآن کی سورتیں جوڑوں اور گروہوں کی شکل میں مربوط ہیں۔[28] ان کے نزدیک قرآن کی ترتیب محض توقیفی نہیں بلکہ معنوی ربط پر مبنی ہے، اور یہی ربط اس کے اعجاز کا بنیادی مظہر ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے تدبرِ قرآن میں اس نظریہ کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے واضح کیا کہ ہر سورت کا

آغاز، وسط اور اختتام ایک منظم فکری وحدت کی تشکیل کرتا ہے۔[29] ان کے مطابق اگر قرآن انسانی تصنیف ہوتا تو مختلف ادوار میں نازل ہونے کے باوجود اس درجے کی ہم آہنگی برقرار رکھنا ممکن نہ تھا۔ڈاکٹر محمد عبداللہ دراز نے بھی اس امر پر زور دیا کہ قرآن کی داخلی ہم آہنگی اور فکری انسجام اس کی غیر معمولی خصوصیت ہے۔[30] وہ لکھتے ہیں کہ قرآن میں موضوعات کا تنوع ہونے کے باوجود اس میں فکری تضاد نہیں پایا جاتا، جو کسی طویل انسانی تصنیف میں عموماً ناگزیر ہوتا ہے۔

ڈسکورس اینالسس (Discourse Analysis) اور قرآنی ساخت

جدید لسانیات میں ڈسکورس اینالسس ایک اہم منہج ہے، جس کے تحت متن کی بڑی اکائیوں (Macro-Structure) کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ قرآن کے مطالعہ میں اس منہج نے یہ واضح کیا کہ آیات کا ربط محض نحوی نہیں بلکہ معنوی اور خطابی (Rhetorical) بھی ہے۔مثلاً سورۃ الفاتحہ میں غائب سے حاضر کی طرف التفات:

"الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ...إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" (الفاتحہ 1:2–5)

یہ تبدیلی محض ضمیر کا فرق نہیں بلکہ خطاب کی نوعیت میں تبدیلی ہے، جس سے قاری براہِ راست مکالمے میں شامل ہو جاتا ہے۔ جدید لسانی اصطلاح میں اسے "Shift in Deixis" کہا جاتا ہے، جو متن کی تاثیر کو بڑھاتا ہے۔[31] اسی طرح قرآن میں مکالماتی انداز (Dialogical Mode)، سوال و جواب کی ترتیب، اور قصص کی تدریجی پیشکش ایک مربوط بیانی نظام تشکیل دیتی ہے۔ یہ اسلوب نہ روایتی نثر ہے نہ شعر، بلکہ ایک منفرد خطابی صنف ہے جو سامع کو فکری اور جذباتی دونوں سطحوں پر متوجہ رکھتی ہے۔

حلقاتی ساخت (Ring Composition) اور ساختی ہم آہنگی

جدید محققین، خصوصاً ریمنڈ فرین اور میشل کیوپرز، نے قرآن کی ساخت کو "Ring Composition" یا حلقاتی ترتیب کے اصول کے تحت بیان کیا ہے۔[32] اس نظریہ کے مطابق بعض سورتیں ایک مرکزی نکتے کے گرد حلقاتی انداز میں ترتیب دی گئی ہیں، جہاں ابتدا اور انتہا باہم مربوط ہوتے ہیں اور وسط میں مرکزی پیغام نمایاں ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرہ کی ابتدا ہدایت کے بیان سے ہوتی ہے اور اختتام بھی ایمان و اطاعت کے اعلان پر ہوتا ہے، جبکہ درمیان میں شریعت، قصص اور اجتماعی احکام کا بیان ہے۔ اس ترتیب سے ایک مکمل فکری دائرہ تشکیل پاتا ہے۔[33] یہ ساختی ہم آہنگی اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن کی ترتیب محض تاریخی ترتیبِ نزول پر مبنی نہیں بلکہ ایک منظم ادبی منصوبہ بندی کی عکاس ہے۔ یہ پہلو کلاسیکی نظریۂ نظم کی جدید تعبیر معلوم ہوتا ہے۔

صوتیاتی اور اسلوبی تجزیہ

جدید صوتیاتی مطالعہ (Phonetic Analysis) سے یہ واضح ہوا ہے کہ قرآن کی آیات میں حروف کی ترتیب، وقفے، اور قوافی کی ہم آہنگی ایک خاص موسیقیت پیدا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ الکوثر:

"إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ" (الکوثر 108:1–3)

یہاں "الکوثر" اور "الأبتر" کے صوتی تقابل سے معنوی تضاد بھی نمایاں ہوتا ہے۔ اختصار کے باوجود سورت ایک مکمل پیغام پیش کرتی ہے۔[34] اسی طرح مختصر مکی سورتوں میں قافیہ اور وقف کی ہم آہنگی سامع پر فوری اثر ڈالتی ہے۔ سید قطب نے اسے قرآن کی "حرکی تاثیر" سے تعبیر کیا ہے، جو قاری کو محض فکری نہیں بلکہ جذباتی سطح پر بھی متاثر کرتی ہے۔[35]

کلاسیکی اور جدید مناہج کا باہمی تعلق

اگر معاصر نظریات اور جدید لسانیاتی تجزیات کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ کلاسیکی نظریۂ نظم کی نفی نہیں بلکہ اس کی توسیع ہیں۔ عبد القاہر جرجانی نے جس نظم کی بات کی تھی، جدید لسانیات نے اسی نظم کو ساختی اور بیانی اصطلاحات میں بیان کیا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اعجازِ قرآن کی بحث ایک ارتقائی علمی سفر ہے، جس میں ہر دور نے اپنے فکری اور علمی وسائل کے مطابق قرآن کی انفرادیت کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ کلاسیکی بلاغت اور جدید لسانیات دونوں اس حقیقت پر متفق دکھائی دیتے ہیں کہ قرآن کی داخلی ہم آہنگی، معنوی عمق اور اسلوبی انفرادیت انسانی کلام سے ممتاز ہے۔[36]

نتائج بحث

قرآنِ مجید کے ادبی اعجاز پر کلاسیکی اور معاصر مباحث کے تفصیلی جائزے سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ یہ موضوع محض مذہبی عقیدت کا اظہار نہیں بلکہ ایک مضبوط علمی، ادبی اور لسانیاتی بنیاد رکھتا ہے۔ کلاسیکی علماء نے جس دقتِ نظر سے قرآن کے نظم، بلاغت اور اسلوب کا تجزیہ کیا، وہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اعجازِ قرآن کی بحث آغاز ہی سے سنجیدہ علمی روایت کا حصہ رہی ہے۔ امام باقلانی نے اعجاز کو قرآن کی ذاتی اور داخلی خصوصیت قرار دے کر نظریۂ صرفہ کی کمزوری واضح کی، جبکہ عبد القاہر جرجانی نے نظریۂ نظم کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ قرآن کی اصل انفرادیت اس کی معنوی ساخت اور نحوی ترتیب میں ہے۔[37] اس علمی بنیاد نے بعد کے تمام مباحث کو ایک مضبوط فکری سانچہ فراہم کیا۔ معاصر دور میں نظمِ قرآن کے احیاء اور جدید لسانیاتی مناہج کی شمولیت نے اس بحث کو مزید وسعت دی ہے۔ حمید الدین فراہی اور امین احسن اصلاحی نے قرآن کی سورتوں کے باہمی ربط اور مرکزی عمود کے تصور کو منظم صورت میں پیش کر کے یہ واضح کیا کہ قرآن کی موجودہ ترتیب محض تاریخی یا

اتفاقی نہیں بلکہ معنوی حکمت پر مبنی ہے۔[38] اسی طرح جدید مغربی محققین کی جانب سے حلقاتی ساخت (Ring Composition) اور بیانیہ ترتیب پر کی جانے والی تحقیقات نے اس بات کی تصدیق کی کہ قرآن کی ساختی ہم آہنگی ایک مربوط ادبی نظام کی غماز ہے۔[39]

مستشرقین کے اعتراضات—مثلاً تکرار، اسلوبی تنوع، یا تدریجی نزول—کا تنقیدی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امور درحقیقت قرآن کے اعجاز کے منافی نہیں بلکہ اس کی حکمت اور خطابی حکمتِ عملی (Rhetorical Strategy) کا حصہ ہیں۔ قرآن کا تدریجی نزول خود اس کے الٰہی حکمتِ عملی کا مظہر ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ" (الفرقان 25:32)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ تدریجی نزول قلبی تثبیت اور تدریجی تربیت کے لیے تھا، نہ کہ ادبی ضعف کی علامت۔[40] تحقیق کے مجموعی نتائج سے درج ذیل نکات اخذ کیے جاسکتے ہیں:

1. قرآن کا ادبی اعجاز ایک داخلی (Intrinsic) خصوصیت ہے جو اس کے الفاظ، معانی، نظم اور تاثیر میں جلوہ گر ہے۔
2. کلاسیکی نظریۂ نظم اور بلاغت جدید لسانیاتی تجزیات سے متصادم نہیں بلکہ ان کی علمی توسیع کا درجہ رکھتے ہیں۔
3. قرآن کی ساختی ہم آہنگی، حلقاتی ترتیب، اور بیانیہ انسجام اس کی ادبی انفرادیت کی مضبوط دلیل ہیں۔
4. تکرار، التفات، اور اسلوبی تنوع دراصل قرآنی خطاب کی تاثیر کو بڑھانے کے وسائل ہیں، نہ کہ ادبی نقص۔
5. اعجازِ قرآن ایک کثیر جہتی مظہر ہے، جس میں لسانی حسن، فکری عمق، روحانی تاثیر اور تاریخی تحدّی سب شامل ہیں۔

یوں کہا جاسکتا ہے کہ قرآنِ مجید کا ادبی اعجاز ایک ایسا موضوع ہے جو ہر دور میں نئے علمی زاویوں سے اپنی معنویت کو ثابت کرتا رہا ہے۔ کلاسیکی بلاغت کے اصول ہوں یا جدید ڈسکورس اینالسس اور ساختیاتی مطالعہ—سب اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ قرآن کی داخلی وحدت اور اسلوبی انفرادیت انسانی کلام سے ممتاز ہے۔ قرآن کا یہ اعلان آج بھی اپنی پوری قوت کے ساتھ قائم ہے:

"لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا" (الإسراء 17:88)

یہ اعلان نہ صرف ایمانی یقین کا اظہار ہے بلکہ ادبی اور لسانی تحقیق کے میدان میں بھی ایک مسلسل چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی بنا پر اعجازِ قرآن کا مطالعہ ایک زندہ اور متحرک علمی میدان ہے، جو آئندہ نسلوں کے لیے بھی تحقیق کے وسیع امکانات رکھتا ہے۔[41]

حوالہ جات

1. جلال الدین سیوطی، *الاتقان فی علوم القرآن* (بیروت: دار الفکر، 2005)، 2:116۔
2. امین احسن اصلاحی، *تدبرِ قرآن* (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، 2004)، 1:23۔
3. Theodor Nöldeke, *The History of the Qur'an*, trans. Wolfgang H. Behn (Leiden: Brill, 2013), 1:54۔
4. محمد عبد اللہ دراز، *النبأ العظیم* (قاہرہ: دار القلم، 1997)، 67۔
5. بدرالدین زرکشی، *البرھان فی علوم القرآن* (بیروت: دار المعرفہ، 2006)، 2:93۔
6. ابن کثیر، *تفسیر القرآن العظیم* (بیروت: دار الفکر، 1999)، 3:52۔
7. محمد عبد العظیم زرکانی، *مناھل العرفان فی علوم القرآن* (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1995)، 2:198۔
8. ابن فارس، *مقاییس اللغۃ* (بیروت: دار الفکر، 1979)، 4:312۔
9. ابو بکر باقلانی، *إعجاز القرآن* (قاہرہ: دار المعارف، 1954)، 23۔
10. زرکشی، *البرھان فی علوم القرآن*، 2:121۔
11. ابن کثیر، *البدایہ والنہایہ* (بیروت: دار الفکر، 1986)، 3:100۔
12. طبری، *جامع البیان* (بیروت: مؤسسۃ الرسالہ، 2000)، 29:98۔
13. محمد بن اسماعیل البخاری، *صحیح البخاری*، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر 4981۔
14. محمد الطاہر ابن عاشور، *التحریر والتنویر* (تیونس: دار سحنون، 1984)، 1:38۔
15. ابو بکر باقلانی، *إعجاز القرآن* (قاہرہ: دار المعارف، 1954)، 15۔
16. شہرستانی، *الملل والنحل* (بیروت: دار المعرفہ، 1993)، 1:59۔
17. باقلانی، *إعجاز القرآن*، 45۔
18. بدرالدین زرکشی، *البرھان فی علوم القرآن* (بیروت: دار المعرفہ، 2006)، 2:118۔
19. عبد القاہر جرجانی، *دلائل الإعجاز* (قاہرہ: مکتبۃ الخانجی، 2004)، 55۔
20. جرجانی، *دلائل الإعجاز*، 120۔
21. محمد الطاہر ابن عاشور، *التحریر والتنویر* (تیونس: دار سحنون، 1984)، 1:45۔
22. زمخشری، *الکشاف عن حقائق التنزیل* (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2009)، 3:12۔
23. زرکانی، *مناھل العرفان فی علوم القرآن* (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1995)، 2:205۔
24. زرکانی، *مناھل العرفان*، 2:210۔

25. زرکشی، *البرھان في علوم القرآن*، 2:121۔

26. جلال الدین سیوطی، *الاتقان في علوم القرآن* (بیروت: دارالفکر، 2005)، 2:117۔

27. محمد عبداللہ دراز، *النبأ العظیم* (قاہرہ: دارالقلم، 1997)، 75۔

28. حمید الدین فراہی، *دلائل النظام* (اعظم گڑھ: دائرہ حمیدیہ، 2008)، 45۔

29. امین احسن اصلاحی، *تدبرِ قرآن* (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، 2004)، 1:45۔

30. دراز، *النبأ العظیم*، 82۔

31. محمد الطاہر ابن عاشور، *التحریر والتنویر* (تیونس: دار سحنون، 1984)، 1:52۔

32. Raymond Farrin, *Structure and Qur'anic Interpretation* (Ashland: White Cloud Press, 2014), 45۔

33. Michel Cuypers, *The Composition of the Qur'an* (London: Bloomsbury, 2015), 89۔

34. عبدالقاہر جرجانی، *دلائل الإعجاز* (قاہرہ: مکتبة الخانجی، 2004)، 120۔

35. سید قطب، *فی ظلال القرآن* (قاہرہ: دارالشروق، 2003)، 1:25۔

36. بدرالدین زرکشی، *البرھان في علوم القرآن* (بیروت: دارالمعرفہ، 2006)، 2:121۔

37. ابو بکر باقلانی، *إعجاز القرآن* (قاہرہ: دارالمعارف، 1954)، 102۔

38. امین احسن اصلاحی، *تدبرِ قرآن* (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، 2004)، 1:60۔

39. Raymond Farrin, *Structure and Qur'anic Interpretation* (Ashland: White Cloud Press, 2014), 67۔

40. محمد الطاہر ابن عاشور، *التحریر والتنویر* (تیونس: دار سحنون، 1984)، 19:35۔

41. جلال الدین سیوطی، *الاتقان في علوم القرآن* (بیروت: دارالفکر، 2005)، 2:118۔